مطالعہ ٔقرآن کے اساسی اصول (3)

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین*
sheikh.hasnain26060@gmail.com

کلیدی کلمات: قرآن فہمی، مطالعہ، اصول، قلب، دل، عقل وفطرت، نفس، تقویٰ، ہدایت، ارشاد۔

خلاصہ

زیر نظر مقالہ میں مطالعہ ٔقرآن اور قرآن فہمی کا چوتھا اساسی اصول بیان ہوا ہے۔ اس اصول کے مطابق قرآن سے نورِ ہدایت پانے کے لئے قرآن کے قاری کا متقی ہونا شرط ہے۔ لیکن قرآن کریم نے تقویٰ کا تعلق، قلب سے جوڑا اور اسے قلب کی ایک خاص حالت قرار دیا ہے۔ جس قلب میں یہ حالت پائی جاتی ہو قرآن کریم نے اُس قلب کو قلبِ سلیم قرار دیا ہے اور جس قلب میں یہ حالت نہ پائی جائے قرآن کی منطق میں وہ قلب کہلانے کے لائق نہیں ہے۔
اس مقالہ میں یہ بھی اجاگر کیا گیا ہے کہ قرآن جسے قلب قرار دیتا اور اُس کی ایک خاص حالت کو قرآن فہمی کی اساسی شرط قرار دیتا ہے، اُس سے مراد، گوشت کا وہ لوتھڑا نہیں جو پہلو میں دھڑکتا اور رگوں میں خون پمپ کرتا ہے بلکہ اس سے مراد، انسانی نفس اور روح و جان ہے جو کہ ایک روحانی اور معنوی امر ہے۔ اسی طرح اس مقالہ میں اس امر کا بھی جائزہ لیا گیا ہے کہ اگر قلب سلیم کا مالک اور اہلِ تقویٰ ہونا، قرآن فہمی کی اساسی شرط ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن ایسے لوگوں کے لئے کتابِ ہدایت ہو جو اہلِ تقویٰ تو کجا، بے دین ہیں۔ نیز یہ کیسے ممکن ہے کہ جو شخص تقویٰ کی منزل پر فائز ہو، قرآن اُس کے لئے تقویٰ کا سامان فراہم کرے؟

*۔ محقق، استاذ فلسفہ اسلامی، پرنسپل دی ایمنز کالج، بارہ کہو، اسلام آباد۔

مقدمہ

یہ مقالہ مجلّہ نور معرفت میں "مطالعۂ قرآن کے اساسی اصول" کے عنوان کے تحت چھپنے والے مقالات کا تسلسل ہے۔ سابقہ مقالات کا مدعیٰ یہ تھا کہ قرآن کریم بنیادی طور پر فکر و فلسفے اور بشری علوم میں ہدایت سے زیادہ، عمل کے میدان میں انسان کی ہدایت کی کتاب ہے۔ ہاں، یہ الگ بات ہے کہ قرآن جہاں بعض کاموں کا حکم دیتا یا بعض سے روکتا ہے تو وہاں کئی مقامات پر اپنے اوامر و نواہی کو فکری بنیادیں بھی فراہم کر دیتا ہے۔ لہٰذا قرآن کے مطالعہ کے دوران قاری کو سب سے زیادہ عمل کے میدان میں رہنمائی کے حصول کے درپے رہنا چاہیے اور قرآن سے مختلف بشری علوم کے کسب اور استخراج کو ثانوی ترجیح قرار دینا چاہیے۔ جیسا کہ حصول رزق و روزگار، مصائب و مشکلات سے بچاؤ اور دنیاوی اغراض و مقاصد و حاجات کی برآوری کو بھی قرآن کی تلاوت کا تنہا ہدف نہیں بنانا چاہیے۔ قرآن کریم، کتاب ہدایت ہے لہٰذا اس سے عمل کے میدان میں ہدایت طلب کی جائے۔

مطالعۂ قرآن کا دوسرا اساسی اصول یہ بیان ہوا کہ قرآن فہمی کی تمام کوششیں تنہا قرآن کے معصوم معلّمین کی رہنمائی، یعنی پیغمبر اکرم ﷺ اور ائمۂ معصومین علیہم السلام کی سیرت و کردار اور احادیث کی روشنی میں نتیجہ خیز ثابت ہو سکتی ہیں اور قرآن کا ہر وہ فہم جو قرآن کریم کے معصوم معلّمین علیہم السلام کے فہمِ قرآن سے تضادّ رکھتا ہو، باطل ہے۔

مطالعۂ قرآن کا تیسرا اساسی اصول یہ بیان ہوا کہ قرآن کریم سے بہتر سے بہتر نورِ ہدایت پانے کے لئے قاری کا عربی زبان و ادبیات، بعض قرآنی علوم اور تفسیر کے بنیادی اصولوں سے آشنا ہونا مطالعہ قرآن کی ایک بنیادی شرط ہے۔ نیز قرآن سے ہدایت پانے کے لئے اگرچہ قرآن کے قاری کا اپنے دور کے جدید ترین سائنسی انکشافات، فلسفی تأملات اور بشری علوم سے آشنا ہونا، قرآن سے ہدایت کے حصول کی شرط نہیں، تاہم قرآن کریم کے عمیق فہم کے لئے بشری علوم، منجملہ سائنسی علوم کے جدید ترین انکشافات سے آگاہی بہت مفید ہے۔ بالخصوص قرآن کریم کی ان آیات کے فہم میں جن کا موضوع، تشریعِ الٰہی سے زیادہ تکوینِ الٰہی ہے، سائنسی علوم سے آشنائی نہ فقط قرآن فہمی کا مقدمہ، بلکہ بعینہٖ فہمِ قرآن اور تفسیر

قرآن ہے۔ لہٰذا جہاں یہ عین ممکن ہے کہ اسلاف قرآن کریم سے نورِ ہدایت پانے میں اَخلاف سے بہت آگے ہوں، وہاں یہ بھی عین ممکن ہے کہ اَخلاف، عربی زبان و ادبیات، قرآنی علوم اور تفسیر کے بنیادی اصولوں سے آشنائی کے ساتھ ساتھ بشری علوم کے جدید ترین انکشافات سے آگاہی کے طفیل قرآن فہمی میں اسلاف سے اتنا آگے نکل جائیں کہ ان کی قرآنی فہمی کے مقابلے میں اسلاف کا فہم، بچگانہ فہم شمار ہو۔

مطالعہ قرآن کا چوتھا اساسی اصول

تقویٰ، قرآن فہمی کی اساسی شرط

مطالعہ قرآن کا چوتھا اساسی اصول یہ ہے کہ قرآن سے ہدایت پانے کے لئے اہلِ تقویٰ ہونا شرط ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ" (البقرہ: ۲) یعنی: "یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں؛ یہ اہل تقویٰ کے لئے ہدایت ہے۔" یعنی قرآن کی ہدایت محض اہلِ تقویٰ سے مخصوص ہے اور جو شخص ہوا و ہوس اور نفسانی خواہشات اور چاہتوں کا اسیر بن جاتا ہے، ایسے شخص پر قرآنی ہدایت و ارشاد کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کا اٹل فیصلہ ہے کہ جو شخص اہل تقویٰ نہیں، وہ کبھی قرآن کریم سے نورِ ہدایت نہیں پا سکتا۔ قرآن کا مطالعہ اُسے نہ تنہا کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا، بلکہ اس کا خسارہ مزید بڑھاتا ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا (الإسراء: ۸۲) یعنی: "اور ہم قرآن میں وہ چیز نازل فرمارہے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفاء اور رحمت کا موجب اور ظالموں کے نقصان میں اضافہ کا موجب ہے۔"

لہٰذا قرآن کریم سے نورِ ہدایت پانے کے لئے "تقویٰ" شرط ہے۔ لیکن تقویٰ بذات خود، قلب کی ایک خاص حالت کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے تقویٰ کا تعلق، دل سے جوڑا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِمْتَحَنَ اللهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوٰى (الحجرات: ۳) یعنی: "اللہ نے اُن کے دلوں کو تقویٰ کے لئے آزما لیا ہے۔" ایک اور جگہ ارشاد ہے: فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ۔ (الحج: ۳۲) یعنی: "یقینا (شعائر الٰہی کی یہ

تعظیم) دلوں کا تقویٰ ہے۔" اس کے برعکس، قرآن کریم نے بے تقوائی کا تعلق بھی دل سے جوڑا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے: فَاِنَّہٗۤ اٰثِمٌ قَلۡبُہٗ (البقرۃ: ۲۸۳) یعنی: "تو یقیناً اُس کا دل گنہگار ہے۔"

پس تقویٰ اور بے تقوائی انسانی قلب و دل کی خاص کیفیات کا نام ہے۔ اگر قلب میں تقویٰ کی کیفیت پائی جائے تو قرآن اُسے "قلبِ سلیم" کا نام دیتا ہے اور اگر قلب میں بے تقوائی کی کیفیت پائی جائے تو قرآن اُسے "مریض قلب" قرار دیتا ہے۔ جس شخص کا قلب سلیم ہو وہ آسانی سے اپنے اعمال و کردار کو ضبط میں لاسکتا اور متقی کہلاتا ہے۔ برعکس، جس شخص کا دل مریض ہو وہ نہ تو اپنے اعضاء و جوارح پر کنٹرول جما سکتا ہے اور نہ ہی اپنے اعمال میں شریعت کی پابندی کر سکتا ہے۔ ایسا شخص فاسق کہلاتا ہے۔

پس قرآنی ہدایت و ارشاد کے لئے قلبِ سلیم کا مالک ہونا ضروری ہے۔ اور قرآن کریم کی بعض آیات کی روشنی میں تنہا قلبِ سلیم ہی قلب کہلا سکتا ہے۔ جو قلب سلیم نہیں گویا قرآن کی منطق میں وہ قلب نہیں اور جو قلب، قلب کہلانے کے لائق نہیں، وہ قرآن کے نزول کا ظرف قرار نہیں پا سکتا۔ کیونکہ قرآن قلب پر نازل ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلۡبِكَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ (البقرہ: ۹۷) یعنی: "جبریل نے اِس (قرآن) کو اللہ کے حکم سے آپ ﷺ کے دل پر اتارا ہے۔" ایک اور جگہ ارشاد ہے: نَزَلَ بِہِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ عَلٰی قَلۡبِكَ (الشعراء: ۱۹۳) یعنی: "اسے روح الامین (جبرائیل علیہ السلام) لے کر اترا ہے، آپ کے قلب پر۔" مزید ارشاد ہے: اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَذِکۡرٰی لِمَنۡ کَانَ لَہٗ قَلۡبٌ (ق: ۳۷) یعنی: "بے شک اس میں یقیناً تذکّر ہے اُس شخص کے لئے جو صاحبِ دل ہو۔

قرآن کی منطق میں جو قلب سلیم نہ ہو، دل نہیں، پتھر ہے: ثُمَّ قَسَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَہِیَ کَالۡحِجَارَۃِ اَوۡ اَشَدُّ قَسۡوَۃً (البقرۃ: ۷۴) یعنی: "اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوگئے چنانچہ وہ پتھروں جیسے یا اُن سے بھی زیادہ سخت ہیں۔" دوسرے الفاظ میں قلبِ سلیم انسانیّت کا گوہر ہے۔ قلبِ سلیم کا مالک خلیل الرحمٰن بنتا اور نبوت و امامت کے بلند و بالا مراتب پر فائز ہوتا ہے: اِذۡ جَآءَ رَبَّہٗ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ (الصافات: ۸۴) یعنی: "جب وہ اپنے رب کی بارگاہ میں قلبِ سلیم کے ساتھ حاضر ہوئے۔" اور جو شخص قلبِ سلیم کا مالک نہ ہو، انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے: لَہُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا یَفۡقَہُوۡنَ بِہَا۫ وَلَہُمۡ اَعۡیُنٌ لَّا یُبۡصِرُوۡنَ

بِهَاۡ وَلَهُمۡ اٰذَانٌ لَّا يَسۡمَعُوۡنَ بِهَاؕ اُولٰٓئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ (الأعراف: ۱۷۹) یعنی: "یہ افراد دل رکھتے ہیں، مگر ان سے سمجھ نہیں سکتے اور آنکھیں رکھتے ہیں، مگر ان سے دیکھ نہیں سکتے اور کان رکھتے ہیں، مگر ان سے سن نہیں سکتے۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔"

بنابریں، قلبِ سلیم کا مالک ہونا، نہ تنہا قرآن فہمی کی اساسی شرط بلکہ انسان کی وہ متاع ہے جو عالم آخرت میں اُس وقت اُس کے کام آئے گی جب مال و اولاد کام نہ آئیں گے: يَوۡمَ لَا يَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَتَى اللّٰهَ بِقَلۡبٍ سَلِيۡمٍ (الشعراء: ۸۸-۸۹) یعنی: "جس دن نہ کوئی مال نفع دے گا اور نہ اولاد؛ مگر وہی شخص (نفع مند ہوگا) جو اللہ کی بارگاہ میں قلبِ سلیم کے ساتھ حاضر ہوا۔"

دل کیا ہے، کہاں ہے؟

اگر قرآن کریم سے نورِ ہدایت پانے کا ایک اساسی اصول، تقویٰ اور قلبِ سلیم کا مالک ہونا ہے تو یقینا ہمیں یہ جستجو کرنا ہوگی کہ قلب کی ماہیت کیا ہے اور یہ کہاں ہے؟ آیا اس سے مراد، گوشت کا وہ لوتھڑا ہے جسے طبّی اصطلاح میں "دل" کہا جاتا ہے؟ یا اس سے مراد کچھ اور ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ قلب جو ہدایت و ارشاد الٰہی کا مرکز ہے، وہ سینے کے اندر موجود وہ مادی عضو نہیں ہے جس کا کام رگوں میں خون پمپ کرنا ہے۔ کیونکہ اگر ہم قلب کی اُن خصوصیات اور صفات کو دیکھیں جو قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں تو یہ صفات گوشت کے اُس لوتھڑے پر صادق نہیں آتیں جسے طبّی قلب کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے قلب کے دو قسم کے حالات و کیفیات بیان کیے ہیں:

پسندیدہ حالات و کیفیات

1. **رقّت:** أَلَمۡ يَأۡنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخۡشَعَ قُلُوبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللَّهِ (الحدید: ۱۶)
یعنی: "کیا ایمان والوں کے لئے (ابھی) وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کی یاد کے لئے رِقّت کے ساتھ جھک جائیں۔"
2. **پاکیزگی:** أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمۡ يُرِدِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمۡ (المائدہ: ۴۱)

یعنی: " یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو پاک کرنے کا اللہ نے ارادہ (ہی) نہیں فرمایا۔"

3. **سلامتی**: إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الصافات: ۸۴) یعنی: "جب وہ اپنے رب کی بارگاہ میں قلبِ سلیم کے ساتھ حاضر ہوئے۔"

إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء: ۸۹۔) یعنی: "مگر وہ شخص (نفع مند ہوگا) جو اللہ کی بارگاہ میں سلامتی والے دل کے ساتھ حاضر ہوگا۔"

4. **رغبت و میلان**: فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ (ابراہیم: ۳۷)

یعنی: " (اے اللہ) تو لوگوں کے دلوں کو ایسا بنا دے کہ وہ ان کی طرف مائل ہو جائیں۔"

5. **بازگشت اور رجوع**: وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ (ق: ۳۳)

یعنی: "اور (اللہ کی بارگاہ میں) لوٹ کر آنے والا دل لے کر حاضر ہوا۔"

6. **انس والفت**: وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ (الانفال: ۶۳)

یعنی: "اور ان کے قلوب کے مابین الفت ڈال دی"۔

7. **نرمی اور ملائمت**: ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ (الزمر: ۲۳)

یعنی: " پھر اُن کی جلدیں اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔"

8. **مہربانی اور رحمت**: وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً (الحدید: ۲۷)

یعنی: " اور ہم نے اُن لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے اُن (عیسٰی علیہ السلام) کی پیروی کی مہربانی اور رحمت ڈال دی۔"

9. **اطمینان**: وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي؛ (البقرہ ۲۶۰) یعنی: " لیکن چاہتا ہوں کہ میرے دل کو اطمینان حاصل ہو جائے۔"

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (الرعد: ۲۸)

یعنی: "آگاہ رہو کہ اللہ کی یاد سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔"

10. **سکون**: هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ (الفتح: ۴)

یعنی: "وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکون ڈالا۔"

11. **امتحان وآزمائش**: اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ (الحجرات: ۳)

یعنی: "وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکون ڈالا۔"

12. **ایمان**: وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ (الحجرات: ۱۴)

یعنی: "اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔"

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ (المجادلہ: ۲۲)

یعنی: "یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت فرما دیا ہے۔"

13. **تقویٰ**: وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ (الحج: ۳۲)

یعنی: "اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے تو یہ بھی دلوں کا تقویٰ ہے۔"

14. **سمجھ بوجھ**: فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا (الحج: ۴۶)

یعنی: "کہ اُن کے دل (ایسے) ہو جاتے جن سے وہ سمجھ سکتے۔"

15. **نصیحت**: إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ (ق: ۳۷)

یعنی: "بے شک جو صاحبِ دل ہے اِس میں اُس کے لئے نصیحت ہے۔

16. **ہدایت**: وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ (التغابن ۱۱)

یعنی: " اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے تو وہ اُس کے دل کو ہدایت فرما دیتا ہے۔"

17. **رعب**: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ (الانفال: ۲)

یعنی: "مومن تو بس وہی ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل (اس کی عظمت وجلال کے تصور سے) رعب زدہ ہو جاتے ہیں۔"

ناپسندیدہ حالات وکیفیات

1. **سختی وسنگدلی**: وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران: ۱۵۹)

یعنی: "اور اگر آپ تُند خُو، سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے۔"

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم (البقرہ: ۷۴) یعنی: "پھر تمہارے دل سخت ہوگئے۔"

وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ (الانعام: ۴۳) یعنی: "لیکن اُن کے دل سخت ہو گئے۔"

فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ (الزمر: ۲۲)

یعنی: "اُن لوگوں کے لئے ہلاکت ہے جن کے دل اللہ کے ذکر سے (محروم ہو کر) سخت ہو گئے۔"

2. **اضطراب**: قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ (النازعات: ۸)

یعنی "قیامت کے دن (لوگوں کے) دل خوف و اضطراب سے دھڑکتے ہوں گے۔"

3. **بے قراری**: وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا (القصص: ۱۰)

یعنی: "اور موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا۔"

4. **حسرت**: لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ (آل عمران: ۱۵۶)

یعنی: "تاکہ اللہ اس (گمان) کو ان کے دلوں میں حسرت بنائے رکھے۔"

5. **غم و غصہ**: وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ (التوبہ: ۱۵)

یعنی: "اور ان کے دلوں کا غم و غصہ دور فرمائے گا۔"

6. **غفلت**: وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ (الکہف: ۲۸)

یعنی: "تو اس شخص کی اطاعت نہ کر جس کے دل کو ہم نے غافل کر دیا ہے۔"

7. **گناہگار**: وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ (البقرہ: ۲۸۳)

یعنی: " اور جو شخص گواہی کو چھپاتا ہے تو یقینا اس کا دل گنہگار ہے۔"

8. **بیماری**: فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ (الاحزاب: ۳۲۔)

یعنی: "کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ لالچ کرنے لگے۔"

فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا (البقرہ: ۱۰)

یعنی: "اُن کے دل میں بیماری ہے سو اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا ہے۔"

9. **کجی**: كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ (التوبہ: ۱۱۷)

یعنی: "قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل کج ہو جاتے۔"

10. **جھکاؤ**: فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا (التحریم: ۴)

یعنی: "تم دونوں کے دل (غلط سمت میں) جھک گئے ہیں۔"

وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ (الانعام: ۱۱۳)

یعنی: "اور تاکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے دل چکنی چپڑی باتوں کی طرف جھکے رہیں۔"

11. **لہو ولغو:** لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ (الانبیاء: ۳) یعنی: "ان کے دل لغویات میں محو ہیں۔"

12. **نفی وانکار**: وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ (التوبہ: ۸) یعنی: "ان کے دل نفی کرتے ہیں۔"

قُلُوبُهُم مُّنكِرَةٌ (النحل: ۲۲) یعنی: "ان کے دل منکر ہیں۔"

13. **نفاق**: فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ (التوبہ: ۷۷)

یعنی: "پس اس نے ان کے دلوں میں نفاق کو انجام بنادیا۔"

14. **اندھاپن**: وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (الحج: ۴۶)

یعنی: "لیکن سینوں میں (موجود) دل اندھے ہو جاتے ہیں۔"

15. **نفرت**: اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ (الزمر: ۴۵)

یعنی: "جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اُن کے دل گھٹن اور نفرت کا شکار ہو جاتے ہیں۔"

16. **ہٹ دھرمی**: إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ (الفتح: ۲۶)

یعنی: "جب کافر لوگوں نے اپنے دلوں میں ہٹ دھرمی رکھ لی۔"

17. **ارادہ**: وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ (الاحزاب: ۵)

یعنی: "لیکن جس کا تمہارے دلوں نے ارادہ کیا۔"

18. **ارتکاب**: وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ (البقرہ: ۲۲۵)

یعنی: "مگر جس کا تمہارے دلوں نے ارتکاب کیا اُس پر تمہارا مؤاخذہ فرمائے گا۔"

19. **مخالفت:** مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ (النجم: ۱۱)

یعنی: "دل نے اُس کے مخالفت نہ کی۔"

20. **گھبراہٹ**: حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ (سباء: ۲۳)
یعنی: " یہاں تک کہ اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جائے گی۔"

21. **مہر لگنا**: وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُم (الانعام: ۴۶) یعنی: "اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔"
وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ (التوبہ: ۸۷) یعنی: "ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے۔"

22. **ٹیڑھا پن**: فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ (الصّف: ۵)
یعنی: "پھر جب انہوں نے کجروی کی تو اللہ نے اُن کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔"
رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا (آل عمران: ۸) یعنی: "پروردگارا! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ فرما۔"

23. **زنگ**: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم (المطففین: ۱۴)
یعنی: "ہرگز نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے۔"

24. **پردے**: وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ (فصّلت: ۵) یعنی: "ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔"
وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً (الاسراء: ۴۶) یعنی: "اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے۔"

25. **تالے**: أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد: ۲۴)
یعنی: "آیا اُن کے دلوں پر تالے (لگے ہوئے) ہیں۔"

26. **اغفال**: أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا (الکہف: ۲۸)
یعنی: "ہم نے اس کے دل کو اپنے ذکر سے غافل کر دیا۔"

مذکورہ بالا کم و بیش ۴۵ حالات و کیفیات، گوشت کے ایک لوتھڑے کے حالات و کیفیات قرار نہیں پا سکتے۔ بنابریں، قرآن کریم جسے قلب قرار دیتا ہے، اس سے مراد انسان کا نفس و جان اور اُس کی روح ہے۔ جو ایک قدسی اور معنوی امر اور مادے سے مجرد حقیقت ہے۔ حالانکہ صنوبری قلب ایک مادی عضو ہے اور مادی عضو میں یہ صلاحیت نہیں کہ اُس میں علم جیسی مجرد حقیقت سما سکے یا اُس کی طرف ایسی کیفیات و حالات کی نسبت دی جائے جو انسان کی فکری، معنوی اور روحانی کیفیات ہیں۔ اگر قلب ایک مجرد

حقیقت نہ ہوتا تو اس میں یہ ظرفیّت نہ پائی جاتی کہ " نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِيْنُ عَلٰي قَلْبِكَ" کے قرآنی خطاب کا مصداق بنے۔ کیونکہ قرآنی تعلیمات مجرد ہیں، لہٰذا اُن کا ظرف بھی مادے سے مجرد ہونا چاہیے۔ ہاں! یہاں یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر قلب سے مراد، انسانی نفس ہے تو قرآن کریم نے نفس کو " قلب" کا عنوان کیوں دیا ہے؟ ہمارے خیال میں شاید اِس لئے کہ نفس، انسان کی انسانیت کا جوہر ہے اور ہر چیز کے جوہر کو " قلب" کہا جاتا ہے۔ لہٰذا قرآن کریم نے اسی معنی میں نفس کے لئے قلب کا کلمہ استعمال کیا ہے۔ اس دعویٰ پر مزید دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں جن حالات و کیفیات کی نسبت قلب کی طرف دی گئی ہے، ان میں سے کئی ایک کی نسبت نفس سے بھی برقرار کی ہے۔ ذیل کی آیات میں قلب و نفس کی متقارب صفات و حالات بیان ہوئے ہیں جو بذات خود قلب و نفس کے ایک حقیقت ہونے کی دلیل ہے:

1. فہم، تعقل اور الہام:

دل: فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا (الحج: ۴۶) یعنی: " کہ اُن کے دل (ایسے) ہو جاتے جن سے وہ سمجھ سکتے۔ "

نفس: فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (الشمس: ۷-۸) یعنی: " پھر اس نے اسے اس (نفس) کو بدکاری اور پرہیزگاری (کا الہام کر دیا۔ "

2. طہارت و تزکیہ

دل: لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ (المائدہ: ۴۱) یعنی: " یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو پاک کرنے کا اللہ نے ارادہ (ہی) نہیں فرمایا۔ "

نفس: قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا (الشمس: ۹) یعنی: " بے شک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو پاک کیا۔ "

3. اطمینان:

دل: لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي یعنی: " میرا دل مطمئن ہو جائے۔ "

نفس: يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (سورۃ الفجر: ۲۷) یعنی: " اے اطمینان پا جانے والے نفس۔ "

4. خوف

دل: قُلُوب يَوْمَئِذٍ وَاجِفَة (النازعات:۸) یعنی" قیامت کے دن (لوگوں کے) دل خوف و اضطراب سے دھڑکتے ہوں گے۔"
نفس: فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ (طہ:۶۷) یعنی: "تو موسٰی (علیہ السلام) اپنے دل میں ایک چھپا ہوا خوف سا پانے لگے۔"

5. ہواوہوس

دل: فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ (ابراہیم:۳۷) یعنی: " (اے اللہ) تولوگوں کے دلوں کو ایسا بنا دے کہ وہ ان کی طرف مائل ہو جائیں۔"
نفس: وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ (النازعات:۴۰) یعنی: "اور اُس نے (اپنے) نفس کو خواہشات و شہوات سے باز رکھا۔"

6. ارادہ ورغبت

دل: وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ (الاحزاب:۵) یعنی: "لیکن جس کا تمہارے دلوں نے ارادہ کیا۔"
نفس: فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ (المائدہ:۳۰) یعنی: "پھر اس (قابیل) کے نفس نے اس کے لئے اپنے بھائی (ہابیل) کا قتل مرغوب) کر دکھایا۔"

7. ایمان ویقین

دل: كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ (المجادلہ:۲۲) یعنی: "یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت فرمادیا ہے۔"
نفس: وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ (النمل:۱۴) یعنی: " حالانکہ ان کے دل ان (نشانیوں کے حق ہونے) کا یقین کر چکے تھے۔"

نتیجہ یہ کہ قلب، وہی نفس ہے یا نفس کی ایک شان اور شعبہ ہے۔ لہٰذا قرآنی ہدایت کے حصول کے لئے قلب کے تقویٰ و تطہیر سے انسان کے پہلو میں دھڑکتے گوشت کے لوتھڑے کا آپریشن مراد نہیں، بلکہ اس سے مراد،

انسان کے نفس وروح کی پاکیزگی ہے۔ اس امر کا ایک شاہد یہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنی ہدایت وارشاد کا دروازہ اُن لوگوں پر بند قرار دیا ہے جو طہارتِ نفس کے مالک نہ ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (الواقعہ: ۷۷-۷۹) یعنی: "بے شک یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے۔ یہ ایک پوشیدہ کتاب (لوح محفوظ) میں (لکھا ہوا) ہے۔ اس کو پاک لوگوں کے سوا کوئی نہ چھوئے گا۔" اس آیت میں انسان کے نفس وروح کی پاکیزگی کو قرآنی حقائق تک رسائی کی شرط قرار دیا گیا ہے جو اس امر کا قرینہ ہے کہ قلبِ سلیم سے مراد، نفس کی پاکیزگی ہے۔ اگر انسان کا نفس پاکیزہ ہو تو قرآن کا مطالعہ اُس کے لئے مفید ہے اور اگر نفس میں پاکیزگی نہیں تو قرآن کا مطالعہ انسان کی دستگیری نہیں کرتا۔ لہٰذا اگر ایک شخص قرآن کے عمیق و عظیم مطالب تک رسائی کا خواہاں ہے تو اُسے تقویٰ اپنانا ہوگا اور اپنے نفس وروح کی پاکیزگی اور طہارت کا سامان مہیا کرنا پڑے گا۔ یقیناً وہ تقویٰ اور طہارتِ نفس کی وادی میں جس قدر آگے بڑھتا چلا جائے گا، قرآنی ہدایت و ارشاد کے دروازے اُسی قدر اس پر زیادہ سے زیادہ کھلتے چلے جائیں گے۔

نہ تحصیلِ حاصل، نہ نقضِ غرض

اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم کتابِ ہدایت ہے اور اِس کے نزول کی غرض و غایت انسانی نفوس کی تطہیر و تزکیہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ (جمعہ: ۲) یعنی: "(خدا) وہی ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن پر اُس کی آیتیں پڑھ کر سناتے اور اُن کو پاک کرتے ہیں۔" لیکن مطالعۂ قرآن کا چوتھا اساسی اصول یہ کہتا ہے کہ: ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (البقرہ: ۱-۴) یعنی: "(یہ) وہ عظیم کتاب ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، (یہ) اہلِ تقویٰ کے لئے ہدایت ہے۔ جو غیب پر ایمان رکھتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ) میں خرچ کرتے ہیں؛ وہ لوگ جو آپ کی طرف نازل

کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا (سب) پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ آخرت پر بھی (کامل) یقین رکھتے ہیں۔ وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی حقیقی کامیابی پانے والے ہیں۔"

قرآن کریم کی ان آیات کے مفہوم کو دیکھا جائے تو بجا طور پر یہ سوال درپیش ہے کہ غیب پر ایمان رکھنے والا، نماز قائم کرنے والا، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا، قرآن اور قرآن سے قبل نازل ہونے والی آسمانی کتابوں پر ایمان رکھنے والا اور آخرت پر یقین کامل رکھنے والا انسان تو متقی، قلبِ سلیم کا مالک، نفسِ زکیہ کا صاحب اور ہدایت یافتہ انسان ہوتا ہے، اُسے ہدایت کی کیا ضرورت کہ قرآن اُس کے لئے ہدایت کا موجب بنے؟ اس کے برعکس، جو لوگ نہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نہ نماز قائم کرتے ہیں، نہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں انفاق کرتے ہیں، نہ قرآن اور آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت پر اُن کا کوئی ایمان ہے، یقینا یہ لوگ فاسق، مریض دل، آلودہ نفس اور بے تقویٰ ہیں اور ایسے ہی لوگوں کو ہدایت اور رہنمائی کی ضرورت ہے جبکہ مطالعہ قرآن کا چوتھا اساسی اصول ایسے لوگوں کو قرآن سے نورِ ہدایت پانے سے محروم ٹھہرا دیتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ قرآن نہ تو متقی کے کام آیا، نہ بے تقویٰ کے کام۔ پس قرآن کس کے لئے اتارا گیا ہے؟ علمی اصطلاحات میں یہ اشکال یوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ اہلِ تقویٰ کے لئے ہدایت کا حصول، بے فائدہ اور تحصیلِ حاصل ہے لہٰذا قرآن ان کے کام نہیں آ سکتا۔ جہاں تک بے تقویٰ لوگوں کا تعلق ہے تو اُن پر قرآنی ہدایت و ارشاد کا دروازہ اس لئے بند ہے کیونکہ وہ ہیں ہی بے تقویٰ۔ قرآن ان کے کام بھی نہیں آ سکتا اور اُن کے نفوس کا تزکیہ نہیں کر سکتا جو کہ نقضِ غرض ہے۔ دوسری جانب قرآن کی بارگاہ میں نہ تحصیلِ حاصل کی نسبت درست ہے، نہ نقضِ غرض کی۔ تو اِس محذور سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟

اس سوال کا اجمالی جواب یہ ہے کہ قرآن اہلِ تقویٰ ہی کے لئے سامانِ ہدایت ہے اور اس میں کوئی تحصیلِ حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ تقویٰ کی دو اقسام ہیں: **ایک**، وہ تقویٰ جو قرآن فہمی کی بنیادی شرط (Pre-condition) ہے۔ **دوسرا**، وہ تقویٰ جو قرآن فہمی کا نتیجہ (Outcome) اور ماحصل ہے۔ جب تک ایک شخص اس معنی میں متقی نہ ہو جس معنی میں تقویٰ قرآن فہمی کی بنیادی شرط ہے، اسے مطالعہ قرآن سے سامانِ ہدایت میسر نہیں آ سکتا لیکن اگر انسان اُس تقویٰ کا صاحب ہو جو قرآن کے فہم کی بنیادی شرط ہے تو وہ مطالعہ قرآن کے ذریعے تقویٰ کی اُن منازل پر فائز ہو جاتا ہے جن پر اس سے پہلے فائز نہ تھا اور قرآن فہمی کے نتیجہ میں ان پر فائز ہوا۔

پس اہلِ تقویٰ کا قرآن سے ہدایت و ارشاد پانا، ترقی ہے، تحصیل حاصل نہیں۔ اسی طرح قرآنی ہدایت و ارشاد پانے کے لئے تقویٰ کے بنیادی شرط ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ ہر شخص کو ہر حال میں پہلے صوم و صلاۃ اور حج و زکاۃ کا پابند ہونا چاہیے تب وہ قرآن سے نورِ ہدایت پا سکتا ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن فہمی کی بنیادی شرط جو تقویٰ ہے اُس سے مراد انسان کا اپنی عقل و فطرت کے احکام کا پابند ہونا ہے۔ لہٰذا جو شخص اہلِ عناد نہیں اور حق و حقیقت کی بات کو تسلیم کرنے میں لیت و لعل نہیں کرتا ایسا شخص چاہے مسلمان نہ ہو اور اُس کے حق میں احکام شریعت کی پابندی کے معنی میں تقویٰ قابل تحقق نہ بھی ہو، تب بھی قرآنی ہدایت و ارشاد اُس کے شامل حال ہو سکتی ہے اور قرآن کی غرض و غایت کے لحاظ سے نقضِ غرض کا اشکال پیش نہیں آتا۔

دیندار گمراہ اور بے دین متقی؟

یہاں بجا طور پر ایک اور سوال جنم لیتا ہے اور وہ یہ کہ آیا ہدایت کا محتاج، ایک بے دین انسان اہلِ تقویٰ ہو سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب پانے کے لئے اِس نکتہ پر توجہ ضروری ہے کہ دینداری اور تقویٰ کے لحاظ سے انسان کی چار قسمیں قابلِ تصوّر ہیں:

1. فاسق دین دار
2. فاسق بے دین
3. متقی دین دار
4. متقی بے دین

ان اقسام میں سے جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے تو اس کا معاملہ بڑا واضح ہے۔ کیونکہ جس شخص کا دل مریض اور نگاہ لاابالی ہو وہ زباں سے "لا الٰہ الّا اللّٰہ" کہہ بھی دے تو منافق شمار ہوتا ہے۔

زباں سے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

منافق اُسی شخص کو کہا جاتا ہے جس نے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو لیکن اُس کا دل مریض اور عمل فسق و عصیان کی بنیاد پر استوار ہو۔ یقینا ایسے فاسق و منافق دین دار پر قرآن اپنی ہدایت و ارشاد کا دروازہ بند کر دیتا

ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُولُ آمَنَّا بِاللّهِ وَبِالْيَوْمِ الآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ يُخَادِعُونَ اللّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلاَّ أَنفُسَهُم وَمَا يَشْعُرُونَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ (البقرۃ: ۱۰) یعنی: " اور لوگوں میں سے بعض وہ (بھی) ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یومِ قیامت پر ایمان لائے حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔ وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں مگر وہ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دیتے ہیں اور انہیں اس کا شعور بھی نہیں ہے۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے، پس اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ جھٹلاتے تھے۔"

مذکورہ بالا اقسام میں جہاں تک دوسری قسم یعنی "فاسق بے دین" کا تعلق ہے تو اگرچہ عرفِ عام میں بے دین انسان کو ہمیشہ فاسق ہی سمجھا جاتا ہے لیکن اس سے ہماری مراد ایسا شخص ہے جو نہ اصولِ دین کو قبول کرتا ہو اور نہ ہی کسی انسانی اور اخلاقی ضابطے کا پابند ہو۔ یقیناً قرآن کریم ایسے شخص کے لئے بھی کسی طور ہدایت کی کتاب نہیں ہے اور نہ ہی ایسے شخص کو قرآن کا مطالعہ کوئی فائدہ پہنچاتا ہے۔

جہاں تک تیسری قسم، یعنی متقی دین دار انسان کا تعلق ہے تو اِس کے حوالے سے تحصیلِ حاصل کا اشکال پیش آتا ہے۔ کیونکہ اس قسم کے حوالے سے سوال یہ ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص دین دار بھی ہو، اہل تقویٰ بھی ہو اور درعینِ حال گمراہ اور قرآنی ہدایت و ارشاد کا محتاج بھی ہو؟ اگر اِس سوال کا جواب یہ ہو کہ دین دار اور متقی انسان ہدایت یافتہ ہی ہوتا ہے تو تحصیلِ حاصل کا اشکال پیش آئے گا۔ تاہم یہ اشکال بھی ادنٰی التفات و توجہ سے برطرف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ ایک شخص دین دار بھی ہو، اہل تقویٰ بھی ہو اور درعینِ حال قرآنی ہدایت و ارشاد کا محتاج بھی ہو۔

اِس امر کی توضیح یہ ہے کہ تقویٰ ایک بسیط حقیقت نہیں کہ اس کا معاملہ بود و نبود اور ہست و نیست کے درمیان دائر ہو، بلکہ تقویٰ ایک ذوالمراتب حقیقت ہے۔ تقویٰ کسی جامد اور راکد منزل کا نام نہیں کہ اگر ایک شخص چند دینی اوامر و نواہی کا پابند ہو جائے تو یہ کہا جائے کہ اُس نے سب کچھ پا لیا ہے اور اُس کے لئے قرآنی ہدایت و ارشاد تحصیلِ حاصل کا مصداق ٹھہرے۔ نہیں، نہیں! تقویٰ کی لاتعداد منازل ہیں اور انسان تقویٰ کی جس منزل پر کھڑا ہو، اُس سے آگے کی منزل موجود ہے جس تک انسان تنہا قرآنی ہدایت و ارشاد

کے ذریعے پہنچ سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایک انسان چاہے کتنا بڑا متقی بھی کیوں نہ بن جائے، ہمیشہ قرآنی ہدایت وارشاد کا محتاج رہتا ہے اور ہدایت کا یہ سلسلہ کسی طور تحصیلِ حاصل نہیں ہے۔

باقی رہی چوتھی قسم، یعنی بے دین متقی تو اُس کے حوالے سے نقضِ غرض کا سوال درپیش ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کے بارے میں یہ سوال درپیش ہے کہ آیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کے بے دین ہوتے ہوئے بھی قرآنی ہدایت وارشاد اُس کے شاملِ حال ہو سکے؟ بھلا ایک بے دین انسان اہلِ تقویٰ ہو سکتا ہے کہ اُسے قرآن کا مطالعہ فائدہ پہنچا سکے اور وہ قرآن کی نور سے ہدایت پا سکے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ عین ممکن ہے کہ ایک شخص بے دین ہوتے ہوئے بھی متقی کہلائے۔ کیونکہ جو تقویٰ قرآن سے نورِ ہدایت پانے کی بنیادی شرط ہے، اس سے مراد ہر حال میں قبولِ دین اور روزہ و نماز وغیرہ جیسے تمام اصول و فروع کی پابندی نہیں، بلکہ بنیادی مرحلہ پر اُس سے مراد یہ ہے کہ انسان جس حال اور جس فکری سطح پر بھی کھڑا ہو، قرآن کریم کی اُن تعلیمات اور احکام کو قبول کرنے میں لیت و لعل سے کام نہ لے جو اس کی فطرت اور عقلی مسلّمات کے عین مطابق ہوں۔

بعبارت دیگر، قرآن سے نورِ ہدایت پانے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کی ان تعلیمات اور احکام پر کاربند ہو جن کے بنیادی، یقینی اور حتمی ہونے کی تائید اُس کی عقل و فطرت کر رہے ہوں۔ اگر ایک شخص ایسا کرے گا تو یقینا وہ اُس تقویٰ کا مالک کہلائے گا جو قرآن فہمی کی بنیادی شرط ہے۔ یہ انسان چاہے کافر ہو، چاہے مسلمان، قرآن ایسے شخص کو ہدایت کا سامان فراہم کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ قرآن کریم کا مطالعہ ایسے شخص کو تقویٰ کی اگلی منازل تک پہنچنے کی راہ پر لگا دیتا ہے خواہ ان منازل میں سے ایک منزل خود قبولِ اسلام اور شریعت کا پابند بننا ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر قرآن کا قاری مسلمان ہو تو وہ جس قدر اہلِ تقویٰ بن کر قرآن کی بارگاہ میں آئے گا اور جس قدر اپنی عقل و فطرت اور شریعت کے احکام کا پابند ہو گا، قرآن اُسی قدر اسے مزید نورِ ہدایت فراہم کرتے ہوئے، تقویٰ کی اگلی منازل پر پہنچا دے گا۔ اس کے برعکس، اگر قرآن کے قاری کے قلب میں یہ کیفیت حاکم ہو کہ وہ حق و حقیقت کی ہر بات ٹھکرانے پر بضد ہو، چاہے یہ بات اُس کی فطرت اور عقلی مسلّمات کے عین مطابق ہی کیوں نہ ہو تو یقینا ایسے شخص کے لئے قرآن کا مطالعہ بے سود ہے؛ چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ یقینا اُسے قرآن کے مطالعہ سے ہدایت نہیں، بلکہ ضلالت و گمراہی نصیب ہو گی۔

در حقیقت، قرآن کریم انسان سے اس کی سلیم فطرت اور عقلی مسلّمات کی بنیاد پر بات کرتا اور اُسے اس کی فطرت کی آواز پر کان دھرنے کی دعوت دیتا ہے۔ لہٰذا ایک انسان جس قدر قرآن کی ان تعلیمات اور احکام کی پابندی کرتا جاتا ہے جنہیں وہ اپنی خالص عقل اور سلیم فطرت کے عین مطابق پاتا ہے تو وہ اتنا ہی متقی کہلاتا اور قرآن سے مزید نورِ ہدایت پانے کے لئے Qualify کرتا جاتا ہے۔ یہ ایک فطری اور نیچرل قانون ہے جس پر انسانی زندگی کے تمام شعبہ ہائے حیات کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ انسان زندگی کے کسی بھی شعبے میں اُس وقت قدم رکھ سکتا ہے جب وہ اس شعبہ میں داخل ہونے کی فطری استعداد کو بروئے کار لائے۔ یہ امر زندگی کے ہر شعبہ میں قدم رکھنے کی اساسی شرط ہے۔ لیکن جب انسان اس شرط پر پورا اترتے ہوئے کسی شعبہ میں قدم رکھتا ہے تو اس کا یہی اقدام، اُس کے اپنے شعبہ میں مزید آگے بڑھنے کا مقدمہ اور سرمایہ بن جاتا ہے اور اسے اپنے شعبہ میں ایسی ترقی ملنا شروع ہو جاتی ہے جو اس کی محنت و تلاش کا نتیجہ شمار ہوتی ہے۔ یوں انسان زندگی کے ہر شعبہ میں نیچے سے اوپر کے مراحل پر فائز ہوتا چلا جاتا ہے۔ مطالعہ قرآن اور قرآن سے نورِ ہدایت پانے کی داستان بھی بعینہٖ زندگی کے تمام دیگر شعبوں میں آگے بڑھنے کی داستان ہے۔ اِس میں نہ کوئی تحصیلِ حاصل ہے اور نہ کوئی نقضِ غرض۔ اس لئے کہ انسان کے با تقویٰ یا بے تقویٰ ہونے کا بنیادی معیار، اس کی وہ قلبی حالت اور کیفیت ہے جس کی بنیاد پر وہ اپنے عقلی و فطری مسلّمات یا شریعت کے احکام کی اطاعت یا خلاف ورزی کرتا ہے۔ قرآن کے حلقۂ خطاب میں آنے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان اپنے عقلی و فطری اور تسلیم کردہ اصولوں کی مخالفت نہ کرے۔ اگر ایک انسان یہ طرزِ زندگی اپنا لے تو وہ متقی ہے اور اس پر قرآنی ہدایت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

تقویٰ، عقل و فطرت کی پیروی

مذکورہ بالا بحث کا مدعیٰ یہ ہے کہ تقویٰ کا دائرہ، دین داری کے دائرہ سے وسیع تر ہے۔ اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ تقویٰ یا بے تقوائی کا نہائی معیار، عقل و فطرت کے مسلّمات اور احکام کی اطاعت و عصیان ہے۔ لہٰذا اگر ایک انسان اپنی عقل و فطرت کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے قرآن کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ تہ کرے، خواہ ہنوز اس نے توحید و رسالت کا اقرار نہ بھی کیا ہو تب بھی وہ تقویٰ کے لباس سے مزیّن ہے اور قرآن اُس پر اپنی ہدات وارشاد کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اسی ہدایت وارشاد کی روشنی میں یہ شخص توحید و رسالت کے اقرار کی منزل کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس، اگر ایک شخص توحید و رسالت

کا اقرار کرتے ہوئے اور بظاہر تقویٰ کے نصاب کو پورا کرتے ہوئے بھی قرآن کا قاری بن جائے لیکن اپنی عقل و فطرت اور مسلمہ دینی احکام کی پیروی نہ کرے تو ایسے مسلمان پر بھی قرآن اپنی ہدایت و ارشاد کا دروزاہ بند کر دیتا اور اُسے خسران اور گھاٹے کے ساحل پر اتار دیتا ہے۔

دراصل، تقویٰ اور بے تقوائی کا تعلق، انسانی عقل و فطرت کے احکام و مسلمات سے اتنا گہرا ہے کہ دین و شریعت کے احکام کی پیروی بھی تب تک خدا کی اطاعت اور تقویٰ قرار نہیں پا سکتی جب تک انسان کی فطرت اور عقل کی حجیّت کو تسلیم نہ کر لیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں جب تک دین و شریعت کے احکام عقل و فطرت سے حجیّت کی سند کسب نہ کر لیں، ان کی اطاعت و عصیان کا کوئی معنی نہیں بنتا۔ اس کے برعکس، عقل و فطرت کی حجیّت ذاتی ہے۔ یعنی جس ذات نے انسان کی فطرت کا خمیر مایہ بنایا ہے اور اُسے عقل کا جوہر عطا فرمایا ہے، اُسی ذات نے حجیّت کو عقل و فطرت کا لاینفک لازمہ بنا دیا ہے۔ لہٰذا وہ ذات جب دین کی پابندی کا حکم دیتی ہے تو فطرت کے میثاق کو اس حکم کی اساس بناتی ہے اور بنی نوعِ بشر کے سامنے اطاعت و عصیان اور ثواب و عقاب کا معاملہ رکھتی ہے تو اِسے انسان کے اپنے عقلی مسلمات کی بنیاد پر استوار فرماتی ہے۔ دین کی پابندی کی بنیاد یہ ہے کہ اس کی جڑیں انسانی فطرت میں خوابیدہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم: ۳۰) یعنی: "پس اپنا رخ اس دین کی طرف کر لیں جو سیدھا اور اللہ کی بنائی ہوئی وہ فطرت ہے جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔" اسی طرح اطاعت و عصیان اور ثواب و عقاب کی داستان کا دارومدار عقل کی حجیّت پر ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے یہ روایت نقل ہوئی ہے: قال: لما خلق الله العقل استنطقه ثم قال له: أقبل فأقبل ثم قال له: أدبر فأدبر ثم قال: وعزّتي وجلالي ما خلقت خلقا هو أحبّ إلي منك ولا أكملتك إلا فيمن أحبّ، أما إنّي إياك آمر و إياك أنهى وإياك أعاقب و إياك أثيب. (1) یعنی: "آپ (علیہ السلام) نے فرمایا: جب اللہ (عزّوجلّ) نے عقل کو خلق فرمایا تو اسے بلوایا اور حکم دیا: "آگے آؤ!" تو عقل (نے اطاعت کی اور) آگے بڑھی۔ پھر اسے حکم دیا: "پیچھے ہٹو!" تو عقل (نے اطاعت کی اور) پیچھے ہٹی۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "مجھے میری عزّت و جلال کی قسم! میں نے کوئی ایسی مخلوق خلق

نہیں کی جو مجھے تجھ سے زیادہ محبوب ہو اور میں نے تجھے اپنے محبوب افراد کے علاوہ کسی میں کامل نہیں کیا۔ پس میں تجھے امر کروں گا اور تجھے نہی کروں گا اور تجھے عقاب دوں گا اور تجھے ثواب دوں گا۔"

نتیجہ یہ کہ تقویٰ اور بے تقوائی کا دائرہ کار، محض دینداری کے دائرہ کار تک محدود نہیں، بلکہ وسیع تر ہے۔ اس امر کی ایک اور زاویے سے وضاحت یہ ہے کہ انسان کے اچھائی اور برائی کے تمام فیصلے اور نیک و بد کے تمام احکام دو طرح کے ہیں:

1. وہ احکام جن کے صادر کرنے میں انسان کی فطرت اور عقل خود کفیل ہیں اور اُسے ان احکام کے دریافت کرنے یا صادر کرنے میں کسی بیرونی ہدایت و ارشاد کی ضرورت نہیں ہے۔ایسے احکام کو علمی اصطلاح میں "مستقلات عقلیہ" کا نام دیا جاتا ہے۔
2. وہ احکام جن کے صادر کرنے میں انسان کی عقل خود کفیل نہیں اور اُن تک پہنچ کے لئے اُسے بیرونی ہدایت وارشاد اور وحی و پیغمبر کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ان احکام کو "غیر مستقلات عقلیہ" کا نام دیا جاتا ہے۔ اصول فقہ کی کتب میں علمائے علم اصول فقہ نے مستقلات و غیر مستقلات عقلیہ پر تفصیلی مباحث پیش کی ہیں۔ متاخرین میں سے معروف مجتہد، استاد محمد رضا المظفر نے "غیر مستقلات عقلیہ" کی جو تعریف بیان کی ہے، اُسی سے "مستقلات عقلیہ" کی تعریف بھی قابل فہم ہے۔ اُن کا کہنا ہے: إن المراد من "غیر المستقلات العقلية" هو مالم يستقل العقل به وحده في الوصول إلى النتيجة، بل يستعين بحكم شرعي في إحدى مقدمتي القياس (وهي الصغرى) والمقدمة الأخرى (وهي الكبرى) الحكم العقلي(2) یعنی: "غیر مستقلات عقلیہ وہ ہیں جن میں نتیجہ تک وصول میں عقل اکیلی کافی نہ ہو، بلکہ قیاس کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ یعنی صغریٰ میں عقل شریعت کے حکم سے مدد لے اور دوسرا مقدمہ یعنی کبریٰ عقلی حکم ہو۔"

احکام کی اسی تقسیم کے تناظر میں علمائے دین نے شریعت کے احکام کو بھی دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:

1. "تسدیدی" یا "ارشادی" احکام؛ یعنی شریعت کے وہ احکام جن کا شریعت کے آنے سے پہلے انسانی فطرت تقاضا کرتی ہو اور انسانی عقل اُن کی صحت اور درستی پر مہرِ تائید ثبت کر چکی ہو۔ مثال کے طور انسانی فطرت کا ہمیشگی حکم ہے کہ اپنی بقاء کے لئے تگ و دَو کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یہ

حکم انسانی فطرت کا حکم ہے جو کافر و مومن سب کے لئے یکساں ہے۔ اب اگر یہاں "وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرۃ: ۱۹۵۔ یعنی: "اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو") کا حکم آ جائے تو شریعت کا یہ حکم، تسدیدی یا ارشادی حکم کہلائے گا۔

2. "مولوی" یا "تاسیسی" احکام؛ یعنی شریعت کے وہ احکام جن کو انسانی عقل و فطرت، وحی و شریعت کی رہنمائی کے بغیر کشف نہ کر سکے۔ مثال کے طور پر انسان اپنی عقل کے ذریعے یہ کشف کرنے سے عاجز ہے کہ نماز کتنی رکعات اور کن اذکار پر مشتمل ہونی چاہیے۔ کس وقت پر کتنی رکعت نماز ادا کرنا ہے اور نماز کی ادائیگی کا طریقہ کار کیا ہے؟ لہٰذا اس معاملے میں شریعت کا جو حکم ہماری رہنمائی کرتا ہے اُسے "مولوی" یا "تاسیسی" حکم کہا جاتا ہے۔

لیکن اِس میں کوئی فرق نہیں کہ حکم "تسدیدی" اور "ارشادی" ہو، یا "مولوی" اور "تاسیسی"، بہر صورت، انسان جب اُس حکم کی اطاعت کرتا ہے جس کی تائید اُس کی عقل و فطرت سے ہو چکی ہے تو وہ اہلِ تقویٰ ہے اور جب وہ اُس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ بے تقویٰ اور فاسق شمار ہوتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں اگر ایک شخص قرآن کریم کے ان احکام کی اطاعت کرے جو اُس کی طینت اور عقلی مسلمات کے مطابق ہوں (ارشادی احکام) تو یہ انسان جب بھی قرآن کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ تہہ کرے گا قرآن ضرور اُس پر اپنی ہدایت و ارشاد کے دروازے کھول دے گا اور اُسے وہ کچھ سمجھ آنے لگے گا جس تک اب تک اس کی عقل کو رسائی حاصل نہ تھی۔ اس کے برعکس، اگر انسان اپنی عقل کے "ارشادی" احکام کی خلاف ورزی کرے گا تو وہ بے تقویٰ اور فاسق شمار ہو گا اور ایسا شخص جب قرآن کا مطالعہ کرے گا تو اُس کی گمراہی میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ (البقرۃ: ۲۶) یعنی: "اللہ اِس کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ ٹھہراتا اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور اس سے صرف انہی کو گمراہی میں ڈالتا ہے جو (پہلے ہی) نافرمان ہیں۔"

تقویٰ اور بے تقوائی کی اس تفسیر کی مزید وضاحت یہ ہے کہ جب انسانی عقل و فطرت یہ حکم صادر کر دیتے ہیں کہ انسان پر اپنی بقاء کے لئے تگ و دَو کرنا ضروری ہے اور ایک عقل مند انسان کے لئے مضرِ صحت اشیاء کا استعمال انسان کو ہلاکت میں ڈالنے کا موجب ہے تو جو شخص مضرِ صحت اشیاء کے استعمال سے بچتا ہے تو وہ قلبِ

سلیم کا مالک اور متقی ہے اور جو عقل و فطرت کے احکام کو پامال کرتے ہوئے ان اشیاء کو استعمال کرتا ہے تو اُس کا دل مریض اور وہ بے تقوا اور فاسق ہے۔ اس تناظر میں قلبِ سلیم کا مالک ہونے کا ایک نمونہ یہ ہے کہ اگر ایک انسان کی عقل کے مطابق یہ احتمال بھی پایا جاتا ہو کہ قرآن کریم، فرزند عبد اللہ ﷺ کا من گھڑت افسانہ نہیں ہو سکتا اور قرآنی آیات پر کان دھرنا چاہیے اور وہ اس احتمال پر قرآن کی آیات پر غور فکر کرے اور دل کی اُن تمام آوازوں پر کان نہ دھرے جو اسے بے بند و باری کی دعوت دی رہی ہوں تو ایسا شخص قلب سلیم کا مالک کہلائے گا۔ یقینا ایسے شخص کے لئے قرآن کریم ہدایت کی کتاب بن جاتا ہے اور پھر قرآنی ہدایت کی روشنی میں انسان جوں جوں تقویٰ کی اگلی منازل پر فائز ہوتا چلا جاتا ہے، اس کے لئے قرآنی ہدایت کے اگلے دریچے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ وحی و نبوّت کے اقرار کی منزل پر پہنچ جاتا ہے اور اگر وہ اس منزل پر پہنچا ہوا ہے تو تقویٰ کی اگلی منزلوں پر فائز ہوتا چلا جاتا ہے۔

اس کے بر عکس، اگر ایک شخص سے اس کی عقل تو یہ کہہ رہی ہو کہ یہ عین ممکن ہے کہ فرزند عبداللہ، اللہ کے نبی ہوں اور قرآن ان کا کلام نہیں بلکہ خدا کا کلام ہو لیکن یہ شخص ہوا و ہوس اور باطل تمایلات کی بنا پر اپنی عقل کے اس حکم کی مخالفت کرے تو ایسا شخص کا دل مریض اور بے تقویٰ ہے اور اُسے قرآن کا مطالعہ ہدایت کا نور عطا نہیں کر سکتا۔ پس تقویٰ اور بے تقوائی کا دار و مدار تنہا "مولوی" یا "تاسیسی" احکام کی پیروری پر نہیں کہ اگر ایک شخص تک مولوی احکام نہ پہنچے ہوں تو یہ کہا جائے کہ وہ اہلِ تقویٰ نہیں ہو سکتا اور نتیجتاً قرآن سے نورِ ہدایت نہیں پا سکتا۔ نہیں، ایسا نہیں؛ بلکہ ایک شخص کا اپنی عقل و فطرت کے مسلّمات کی پیروی کرنا، وہ تقویٰ ہے جو قرآن سے نورِ ہدایت پانے کی بنیادی شرط (Pre-condition) ہے۔

بنابریں، اگر ایک شخص اس معنی میں متقی ہو، خواہ وہ ابھی دین کے دائرہ میں داخل نہ بھی ہوا ہو اور وہ قرآن کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ تہ کرے تو یقینا اُسے قرآن کریم سے نورِ ہدایت مل سکتاہ جس کے نتیجے میں وہ دینداری کے دائرہ میں داخل ہوتے ہوئے ہدایت کے راستوں میں مزید گامزن ہو سکتا ہے اور یوں قرآن کریم کے نزول کی غرض کے نقض کا اشکال بھی بر طرف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب وہ تقویٰ جو قرآن کریم سے نورِ ہدایت پانے کی شرط ہے، تقویٰ کا ایک مرتبہ ہے اور وہ تقویٰ جو مطالعہ قرآن کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے وہ تقویٰ کا دوسرا مرتبہ ہے تو اِس سے "تحصیلِ حاصل" کا اشکال و اعتراض بھی رفع ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم کے عمومی خطابات

اس دعویٰ کی ایک اور دلیل کہ قرآنی ہدایت وارشاد فقط اہل صوم وصلاۃ اور حج وزکات تک محدود نہیں، بلکہ یہ ایک فیضِ عام ہے جس سے ہر منصف مزاج، حقیقت پسند بے دین بھی فیضیاب ہو سکتا ہے، یہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنے متعدد خطابات میں پوری انسانیّت سے خطاب فرمایا ہے۔ اگر قرآن محض دیندار، اہلِ تقویٰ کے لئے ہدایت کا سامان فراہم کرنے کے لئے نازل ہوا ہوتا تو پوری انسانیّت کو اپنا مخاطب قرار نہ دیتا۔ حالانکہ قرآن کریم نے لگ بھگ ۲۷ آیات میں "یَا اَیُّھَا النَّاسُ" کے خطاب کے ذریعے پوری انسانیّت سے خطاب فرمایا ہے اور یقینا یہ خطاب انسانیّت کی ہدایت وارشاد کی غرض و غایت سے ہوا ہے۔ لہٰذا یہ قرآنی خطابات بذات خود اس امر کی دلیل ہیں کہ قرآنی ہدایت و ارشاد کا دروازہ محض دیندار متقی افراد کے لئے نہیں، بلکہ ہر منصف مزاج، حقیقت پسند انسان کے لئے کھلا ہے۔ پس قرآنی ہدایت وارشاد کو محض اہلِ صوم وصلاۃ وحج وزکات تک محدود کرنا اور قرآن کریم پر نقضِ غرض کا اشکال بے جا ہے۔

مفسرین کی آراء کا طائرانہ جائزہ

اگر ہم نقضِ غرض اور تحصیلِ حاصل کے اشکالات کے معاملہ میں مفسرین کی آراء کا طائرانہ جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ سب مفسرین نے اس مسئلہ پر بحث نہیں کی تاہم عمدہ مفسرین اس اشکال کی طرف متوجہ تھے اور انہوں نے اپنی اپنی تفاسیر میں "تحصیلِ حاصل یا نقضِ غرض" کے اشکال کا صریحا یا تلویحا جواب دیا ہے۔ ذیل میں ہم اجمالی طور پر چند مفسرین کی آراء کا جائزہ لیں گے۔

قدماء میں سے ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، متوفی ۳۱۰ ھ نے اس مسئلہ پر توجہ دی ہے لیکن انہوں نے اس بحث کو اجاگر نہیں کیا۔ طبری نے اپنی تفسیر جامع البیان میں " ھدی للمتقین " کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں تقویٰ سے اُس کا عام معنی مراد لینا چاہیے۔ کیونکہ یہاں تقویٰ سے اس کا خاص معنی مراد ہوتا تو اللہ تعالیٰ اُسے بیان کرتا۔ حالانکہ ایسا بیان نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں: فلیس لأحد من الناس أن يحصر معنى ذلك على وصفهم بشئ من تقوى الله عز وجل دون شئ إلا بحجة يجب التسليم لها ـــ فقد

تبین إذا بذلك فساد قول من زعم أن تأويل ذلك إنما هو : الذين اتقوا الشرك وبرأوا من النفاق لأنه قد يكون كذلك وهو فاسق غير مستحق أن يكون من المتقين۔ (3)

یعنی: "کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ہدی للمتقین میں تقویٰ کو تقوائے الٰہی کے کسی خاص معنی پر حمل کرے اور دوسرے معنی کی نفی کرے؛ مگر یہ کہ اس کے پاس کوئی ایسی دلیل ہو جسے تسلیم کرنا واجب ہو۔۔۔ لہٰذا یہ واضح ہوا کہ جن لوگوں نے متقین کی تاویل یہ کی ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک سے بچتے اور نفاق سے برائت طلب کرتے ہیں، یہ تاویل نادرست ہے۔ کیونکہ بعض اوقات ایک شخص نہ مشرک ہوتا ہے، نہ منافق، لیکن اس کے باوجود وہ فاسق ہوتا ہے اور متقین میں شمار ہونے کا مستحق نہیں ہوتا۔"

طبری کی ان عبارات سے واضح ہے کہ اُن کے ذہن میں وہ مباحث اور سوالات جنم لے رہے ہیں جن پر ہم نے تفصیل سے بحث کی ہے لیکن وہ اس مسئلہ کو پوری طرح سلجھا نہیں سکے۔

مرحوم طبری کے بعد شیخ طوسی نے بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔وہ " هدى للمتقين "کے ضمن میں لکھتے ہیں: إنما خص المتقين بذلك وإن كان هدى لغيرهم من حيث إنهم هم الذين اهتدوا به وانتفعوا به كما قال: " إنما تنذر من اتبع الذكر " وإن كان انذر من لم يتبع الذكر(4)

یعنی: "اس کے باوجود کہ قرآن دوسروں کے لئے بھی ہدایت کا سامان ہے، یہاں اس کی ہدایت کو متقین کے ساتھ اس لئے مختص کیا گیا ہے کیونکہ یہ متقی افراد ہی ہیں جو قرآن سے ہدایت اور نفع حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: " آپ تو صرف اسی شخص کو ڈراتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرتا ہے" حالانکہ جن لوگوں نے آپ کی نصیحت کی پیروی نہ کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو بھی ڈرانے والے تو ہیں۔"

شیخ طوسی نے اس بحث کو اس سے زیادہ نہیں کھولا۔ تاہم ان کا اندازِ گفتگو بتاتا ہے کہ اُن کے ذہن میں بھی وہ سوالات و اشکالات موجود ہیں جن پر اس مقالہ میں تفصیلی بحث پیش کی گئی ہے۔

شیخ طوسی کے بعد جن مفسرین نے اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کی ہے ان میں مرحوم طبرسی کا نام قابل ذکر ہے۔ شیخ طبرسی نے اپنی تفسیر جوامع الجامع میں انتہائی اختصار کے ساتھ اس مسئلہ پر بات کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: والمتقي في الشريعة هو الذي يقي نفسه تعاطي ما يستحق به العقاب من فعل أو ترك ، وسماهم عند مشارفتهم لاكتساء لباس التقوى متقين ، كقول النبي (صلى الله عليه وآله) : "

من قتل قتیلا فله سلبه " وقوله تعالی : (ولا یلدوا إلا فاجرا کفارا) أي : صائرا إلی الفجور والکفر، فکأنه قال : هدی للصائرین إلی التقی (5) یعنی: "شریعت میں متقی سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو اُس فعل و ترک سے بچاتا ہے جس کی بنیاد پر وہ عقاب کا مستحق ٹھہرے۔ اور قرآن کریم کا اپنے مخاطبین کو تقویٰ کا لباس پہننے کے لئے آمادگی کے مرحلہ پر متقین کا نام دینا، ویسا ہی ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ: "جس نے قتیل کو قتل کیا تو اسے بھی اس کو سولی پر لٹکانے کا حق حاصل ہے۔" یا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "وہ نہیں جنم دیں گے مگر فاجر و کافر کو۔" یعنی ایسے لوگوں کو جو فجور و کفر کا راستہ اپنائیں گے۔ پس گویا کہ یہاں قرآن نے یہ کہا ہے کہ: "یہ کتاب ہدایت ہے اُن لوگوں کے لئے جو تقویٰ کو اپنی منزل قرار دیں گے۔"

جیسا کہ مرحوم طبرسی کی عبارات سے واضح ہے، انہوں نے اپنے اسلاف سے کافی بہتر اور دقیق تر اس مسئلہ کو اجاگر کیا ہے۔ گویا وہ یہاں متقین سے مراد فقط اہل دین اور صوم و صلاۃ و حج و زکات کے پابند مراد نہیں لے رہے، بلکہ اُن تمام افراد کو علم ادبیات کی اصطلاحات کی روشنی میں "علاقۂ عود" کی بنیاد پر متقی قرار دے رہے ہیں جو اگرچہ ابھی ہدایت کے راستے پر گامزن نہیں ہوئے لیکن وہ اپنی سلیم فطرت، حقیقت پسندی اور منصف مزاجی کے طفیل عنقریب اِس راستے پر لگنے والے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اگر شیخ طبرسی کے اس بیان کو درست مان لیا جائے تو قرآن فہمی کے لئے تقویٰ کی شرط کا اصول، ایک تسلیم شدہ اصول باقی رہتا ہے اور قرآن پر نقضِ غرض کا اشکال بھی وارد نہیں ہوتا۔

مفسرین میں سے امام رازی نے نہ فقط نقضِ غرض کے اشکال پر، بلکہ تحصیلِ حاصل کے اشکال پر بھی توجہ دی ہے۔ انہوں نے "هدی للمتقین" کی تفسیر میں جو سوالات اٹھائے ہیں ان میں پہلا سوال یہی ہے کہ: السؤال الأول : کون الشيء هدی ودلیلا لا یختلف بحسب شخص دون شخص، فلماذا جعل القرآن هدی للمتقین فقط؟ وأیضا فالمتقي مهتدي، والمهتدي لا یهتدي ثانیا والقرآن لا یکون هدی للمتقین یعنی: "پہلا سوال یہ ہے کہ کسی چیز کے ہدایت اور دلیل ہونے میں اشخاص کے اختلاف سے کوئی اختلاف رُخ نہیں دیتا۔ اور جب ایسا ہے تو پس قرآن کو محض

متقین کے لئے ہدایت کیوں قرار دیا گیا ہے؟ نیز، متقی تو ہدایت یافتہ ہوتا ہے اور جو ہدایت یافتہ ہو اُسے دوبارہ ہدایت نہیں کی جاتی تو قرآن متقین کے لئے کیسے ہدایت بن سکتا ہے؟"

یہ سوال اٹھانے کے بعد امام رازی نے قرآن کو کافرین کے لئے بھی ہدایت قرار دیا ہے۔ ان کے بقول: القرآن کما أنه هدى للمتقين ودلالة لهم على وجود الصانع ، وعلى دينه وصدق رسوله ، فهو أيضا دلالة للكافرين. إلا أن الله تعالى ذكر المتقين مدحا ليبين أنهم هم الذين اهتدوا وانتفعوا به(6) یعنی: "قرآن جس طرح کہ متقین کے لئے ہدایت اور ان کے لئے صانع کے وجود پر، اس کے دین اور اس کے رسول کی صداقت پر دلیل ہے، اسی طرح کافرین کے لئے بھی رہنما ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہاں متقین کی مدح میں اُن کا تذکرہ اس لئے کیا ہے تاکہ واضح کر دے کہ یہ اہل تقویٰ ہی ہیں جو قرآن سے نورِ ہدایت پاتے اور اُسے سے نفع اندوز ہوتے ہیں۔"

قدماء مفسرین میں سے ابن عربی نے اپنی تفسیر میں "تحصیلِ حاصل" کے اشکال کا جواب دیا ہے، لیکن "نقضِ غرض" کے اشکال کا جواب نہیں دیا۔ اُن کے مطابق انسانوں کی بنیادی طور پر دو قسمیں یعنی اشقیاء اور سعداء ہیں۔ پھر اشقیاء کی ایک قسم مطرودین اور دوسری منافقین ہے اور اشقیاء کے یہ دونوں گروہ قرآنی ہدایت و ارشاد سے محروم ہیں۔ ابن عربی کی عین عبارت یہ ہے: "فالقرآن ليس هدى للفريق الأول من الأشقياء لامتناع قبولهم للهداية لعدم استعدادهم، ولا للثاني لزوال استعدادهم ومسخهم وطمسهم بالكلية بفساد اعتقادهم(7) یعنی: "قرآن اشقیاء کے پہلے گروہ کے لئے ہدایت نہیں ہے کیونکہ ان میں استعداد ہی نہیں اور وہ قرآنی ہدایت قبول ہی نہیں کر سکتے۔ اور قرآن اشقیاء کے دوسرے گروہ کے لئے بھی ہدایت نہیں ہے کیونکہ ان کی استعداد اُن کے فاسد عقیدے کی وجہ سے مکمل طور پر زائل، مسخ اور نابود ہو چکی ہے۔"

بنابریں، ابن عربی نقضِ غرض کے اشکال کا جواب نہیں دیتا۔ جہاں تک تحصیلِ حاصل کے اشکال کا تعلق ہے تو اگرچہ ابن عربی نے اس اشکال کو بھی صریحا بیان نہیں کیا تاہم اس نے متقین کی پانچ اقسام بیان کی ہیں اور ان کے مطابق یہ پانچوں اقسام کسی نہ کسی طرح قرآنی ہدایت و ارشاد کی محتاج بھی ہیں اور قرآن

ان کے لئے ہدایت کا سامان بھی ہے: "فبقي هدى للخمسة الأخيرة الذين يشملهم المتقون
یعنی: "قرآن آخری پانچوں اقسام کے لئے ہدایت ہے جو متقین کے زمرے میں شامل ہیں۔"
البتہ آگے چل کر ابن عربی نے ایک ایسی بات کہی ہے جس سے نقضِ غرض کے اشکال کے اُس جواب کی ایک جھلک سامنے آتی ہے جو ہم پیش کر چکے ہیں۔ ان کا کہنا ہے: فعلى هذا، المتقون في هذا الموضع هم المستعدون الذين بقوا على فطرتهم الأصلية، واجتنبوا رين الشرك والشك لصفاء قلوبهم وزكاء نفوسهم، وبقاء نورهم الفطري، فلم ينقضوا عهد الله. وهذه التقوى مقدمة على الإيمان، ولها مراتب أخرى متأخرة عنه كما سيأتي إن شاء الله. (8)
یعنی: "بنابریں، اس مقام پر متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں استعداد پائی جاتی ہے اور وہ اپنی اسلی فطرت پر باقی ہیں اور وہ اپنے دلوں کی پاکیزگی، نفوس کی طہارت اور اپنے فطری نور کی بقاء کی وجہ سے شرک اور شک کے زنگ سے آلودہ نہیں ہوئے۔ پس انہوں نے اللہ کے عہد کو نہیں توڑا۔ اور یہ تقویٰ ایمان پر مقدم ہے اور جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب بیان ہوگا تقویٰ کے دیگر مراتب بھی ہیں جو اس مرتبہ کے بعد آتے ہیں۔"
اگر ابن عربی کی آخری عبارت پر خوب توجہ دی جائے تو اِس میں جہاں نقضِ غرض کے اشکال کا جواب تلویحا موجود ہے وہاں تحصیلِ حاصل کے اشکال کا جواب بھی انتہائی ایجاز کے ساتھ موجود ہے۔ لیکن اس مقام پر بطور کلی ابن عربی کے بیان میں ایک طرح کا اضطراب نظر آتا ہے۔
جن مفسرین نے اس اشکال پر توجہ دی ہے ان میں ایک ابن کثیر ہے۔ ابن کثیر نے نقضِ غرض کے اشکال کو جواب بہت مبہم انداز میں دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ: وخصت الهداية للمتقين كما قال۔۔۔ من الآيات الدالة على اختصاص المؤمنين بالنفع بالقرآن لأنه هو في نفسه هدى ولكن لا يناله إلا الأبرار" (9) یعنی: "ہدایت کو متقین کے ساتھ مختص کر دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے۔۔۔ وہ آیات جو فقط مومنین کو قرآن سے نفع اندوز وتا قرار دیتی ہیں۔ کیونکہ قرآن اپنی ذات میں ہدایت ہی ہے لیکن اس کی ہدایت محض نیکوکاروں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔"
اسی طرح ابن کثیر نے تحصیلِ حاصل کے اشکال کا جواب بھی تلویحا اور ایک روایت کے ضمن میں دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے: وقد روى الترمذي وابن ماجة من رواية أبي عقيل عبد الله بن عقيل عن

عبد الله بن يزيد عن ربيعة بن يزيد وعطية بن قيس عن عطية السعدي قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " لا يبلغ العبد أن يكون من المتقين حتى يدع ما لا بأس به حذرا مما به بأس " (10) یعنی: "ترمذی اور ابن ماجہ نے ابو عقیل عبد اللہ ابن عقیل بن عبد اللہ۔۔۔نے عطیہ السعدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بندہ اُس وقت تک متقین کے زمرے میں شامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُن امور کے خوف سے جن کی انجام دہی میں کوتاہی ہے، ایسے امور کی انجام دہی کو بھی ترک کر دے جن کے انجام دینے میں کوتاہی نہ ہو۔"

اگرچہ جلال الدین سیوطی نے بھی اپنی تفسیر میں مذکورہ بالا روایت کو نقل کیا ہے لیکن اس کی توجہ نقضِ غرض یا تحصیلِ حاصل کے اشکال کی طرف نہیں ہے اور نہ ہی وہ ان اشکالات کی جواب دہی کے درپے ہوا ہے۔ (11) سیوطی کے برعکس، فیض کاشانی نے اس معاملہ کو انتہائی ایجاز کے ساتھ سہی، لیکن اٹھایا ہے۔ ان کا لکھنا ہے: أقول: وإنما خص المتقين بالاهتداء به لأنهم المنتفعون به وذلك لأن التقوى شرط في تحصيل المعرفة الحقة (12). یعنی: "میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے فقط متقین کو قرآنی ہدایت کے ساتھ اس لئے مختص کیا ہے کیونکہ یہ متقین ہی ہیں جو قرآنی ہدایت سے نفع اندوز ہوتے ہیں اور ایسا اس لئے ہے کیونکہ تقویٰ معرفت حقہ کے حصول کی شرط ہے۔"

متاخر مفسرین میں سے علامہ محمد حسین طباطبائی نے اس معاملہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ان کے بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ تقویٰ کوئی ایک ٹھوس حقیقت نہیں، بلکہ یہ ایک ایسی صفت ہے جو ایمان کے تمام مراتب کے ساتھ قابلِ جمع ہے۔ (13) گویا قرآن کے متقین کے لئے ہدایت کا سامان ہونے سے تحصیلِ حاصل کا اشکال پیش نہیں آتا۔ اور جہاں تک ہدایت کا تعلق ہے تو علامہ طباطبائی کے مطابق ہدایت دو طرح کی ہے۔ ایک تقویٰ کے لباس سے ملبس ہونے سے قبل کی ہدایت اور دوسری تقویٰ کے لباس سے ملبس ہونے کے بعد کی ہدایت: ثم إن الهداية الثانية لما كانت بالقرآن، فالهداية الأولى قبل القرآن وبسبب سلامة الفطرة (14) یعنی: "چونکہ دوسری ہدایت، قرآن کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، پس پہلی ہدایت قرآن سے پہلے اور سلیم فطرت کے طفیل ہے۔"

علامہ کے مطابق سلیم الفطرت انسان اپنے آپ کو غیر کا محتاج سمجھتا، اُس غیر کی تلاش میں نکلتا اور خدا تک پہنچتا اور غیب پر ایمان لے آتا ہے۔ یہاں سے دوسری ہدایت جو بعد القرآن ہے، اُس کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ یہ دوسری ہدایت، پہلی ہدایت، یعنی فطرت کی ہدایت کی فرع ہے: ومن الدليل على أن هذه الهداية الثانية من الله سبحانه فرع الأولى ، آيات كثيرة كقوله تعالى: (يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت في الحياة الدنيا وفي الآخرة) . . . إلى غير ذلك من الآيات (15) یعنی: "اس دعویٰ کی دلیل کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسری ہدایت، پہلی ہدایت کی فرع ہے بہت سی آیات ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: " اللہ ایمان والوں کو ثابت بات کی وجہ سے دنیوی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی۔ "۔۔۔اور ان کے علاوہ دیگر آیات۔"

دل، سرمایہ ہدایت وارشاد

اب تک کی بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے مطالعہ کا ایک اساسی اصول، اہلِ تقویٰ اور قلبِ سلیم کا مالک ہونا ہے۔ جس شخص کے پاس یہ دل نہ ہو، اُس کے پاس ہدایت پانے اور کمال کی منزلیں طے کرنے کا سرمایہ ہی نہیں ہے۔ یقیناً ایسا شخص چاہے کتنا بڑا دانش مند، فلسفی اور اہلِ دقّت و نظر ہی کیوں نہ ہو، آسمانی ہدایت وارشاد سے بے بہرہ رہتا ہے۔ اس حوالے سے استاد شہید مرتضیٰ مطہری لکھتے ہیں: "قرآن جہاں وحی کی بات کرتا ہے وہاں عقل کا نام تک نہیں لیتا، بلکہ اس کا سروکار فقط قلب پیغمبر سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن پیغمبر کو عقل واستدلال کی طاقت سے نہیں ملا، بلکہ یہ پیغمبر کا قلب ہے جو ایسی حالت پر پہنچا ہے جس میں اس کے اندر متعالی حقائق کے درک و شہود کی استعداد پیدا ہوئی ہے۔ سورہ نجم اور تکویر (1) کی آیات اس ارتباط کی کیفیت کو ایک حد تک آشکار کرتی ہیں۔ قرآن یہ باتیں اس لئے کرتا ہے تاکہ بتا دے کہ ان مسائل کی حدود عقل کی حدود سے بالاتر ہیں۔" (16)

[1]۔ النجم: ۱۱-۱۴: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ یعنی: "اُن کے دل نے اُس کی تردید نہ کی جو اُن کی آنکھوں نے دیکھا۔ آیا تم ان سے اِس پر جھگڑتے ہو کہ جو انہوں نے دیکھا۔ کیا تم ان سے اِس پر جھگڑتے ہو کہ جو انہوں نے دیکھا؟ اور بے شک انہوں نے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب دوسری مرتبہ دیکھا۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ یعنی: "اور بے شک انہوں نے اس کو روشن کنارے پر دیکھا۔" (التکویر: ۲۳)

1۔الکلینی، الکافی؛ ج 1، ص 10

2 ۔الشیخ محمد رضا المظفر؛اِصول الفقہ، موسسۃ النشر الاسلامی التابعہ لجامعۃ المدرسین بقم المقدسۃ، ج 2؛ ص ۳۰۰۔

3 ۔الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر؛ متوفی ۳۱۰ ھ؛ جامع البیان، دار الفکر للطباعہ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان۔ ۱۹۹۵ء۔ ج ۱۔ ص ۱۴۸۔

4 ۔الطوسی؛ابو جعفر محمد ابن الحسن، متوفی ۴۶۰ ھ؛التبیان، مکتب الاعلام الاسلامی، ۱۴۰۹ھ؛ ج ۱، ص ۵۳۔

5 ۔الفضل ابن الحسن، الطبرسی، متوفی ۵۴۸ھ، جوامع الجامع؛ موسسۃ النشر الاسلامی، التابعۃ لجامعۃ المدرسین۔۱۴۱۸ھ، ج ۱، صص ۶۳-۶۴۔

6 ۔الرازی، متوفی ۶۰۶ھ تفسیر الرازی، ج ۲۔ ص ۲۱۔ بی تا۔ بی جا۔

7 ۔ابن العربی، متوفی ۶۳۸ھ، تفسیر ابن عربی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، چاپ ۲۰۰۱، م۔ ج ۱، صص ۳۲-۳۳۔

8 ۔ایضا۔

9 ۔ابو الفداء، اسماعیل ابن کثیر، متوفی، ۷۷۴ھ؛ تفسیر ابن الکثیر، ۱۹۹۲، دار المعرفہ للطباعہ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان۔ ج ۱، ص ۴۲۔

10 ۔ایضا۔

11 ۔السیوطی، جلال الدین، متوفی ۹۱۱؛ الدر المنثور، دار المعرفہ للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان، ج ۱، ص ۲۴۔

12 ۔الکاشانی، الفیض، متوفی ۱۰۹۱؛ھ، تفسیر الصافی، مرکز النشر التابع لمکتب الاعلام الاسلامی، ج ۱، ص ۹۲۔

13 ۔ محمد حسین الطباطبائی، متوفی ۱۴۰۱۲ھ۔المیزان فی تفسیر القرآن، منشورات جامعۃ المدرسین، فی الحوزۃ العلمیۃ، قم المقدسہ۔ ج ۱، ص ۴۳۔

14 ۔ایضا، ص ۴۴۔

15 ۔ایضا، ص ۴۵۔

16۔ مرتضی، مطہری، آشنائی باقرآن، جلد اول، ص ۱۳۸؛ بحوالہ :

http://shahrudi.parsiblog.com/Posts/351.